P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱ | یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۱۱ محرم الحرام ۱۳۷۲ ہجری | نمبر

کچھ اپنی باتیں

کانگریس اور علاقائی زبانیں

ملک کی سب سے بڑی بد قسمتی یہہ ہے کہ خود کانگریس کے بعض حلقوں میں "سکولرزم" کی اصطلاح عملی حیثیت سے بے معنے ہو گئی ہے۔ دوسرے سیاسی مسایل میں جسطرح اس اصطلاح سے کھیلا جارہا ہے اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں' لیکن علاقائی زبانوں کے حقوق کی حد تک (خاص طور پر اتر پردیش میں) کانگریس کے بعض نمایاں اور ممتاز لیڈر جسطرح تنگ نظری اور تنگ دلی کا اظہار کر رہے ہیں' وہ حیرت انگیز ہے۔

دستور کی فہرست میں ۱۴ علاقائی زبانیں شامل ہیں۔ ان ہی میں ایک ہندی بھی ہے۔ ہندی اب سرکاری زبان بن چکی ہے اس لئے سوال صرف ۱۳ علاقائی زبانوں کا ہے۔ ان ہی میں ایک اردو بھی ہے۔

دستور کی دفعہ ۲۹ (۱) زبان اور کلچر کے متعلق بنیادی حقوق۔ کا تحفظ کرتی ہے۔ اسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"شہریوں کا کوئی طبقہ جو ہندوستان کے علاقہ میں یا اسکے کسی حصہ میں آباد ہو اور جسکی زبان اور رسم الخط اور کلچر مخصوص ہو ان مخصوص حقوق کو محفوظ رکھنے کا حق رکھیگا ہے۔

دفعہ ۳۴۷ کی بار بار تصریح کی جا چکی ہے اس لئے اسکے الفاظ کے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن دریافت کرنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی اقلیت اپنے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے دستور کی دفعہ ۳۴۷ کا سہارا لیکر اپنی علاقائی زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کی کوشش کرے تو کیا ایسی کوشش سرکاری زبان کے خلاف سمجھی جائیگی یا کیا کانگریس کی کسی جماعت کو یا کانگریسی لیڈروں کو یہہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی کسی کوشش کی مخالفت کریں؟ اور کیا انکا ایسا کرنا ہمارے دستور کے الفاظ

اور اسکی روح کی توہین کرنا نہیں ہے؟

اترپردیش کے کانگریسی حلقوں میں بھی آردو کے خلاف تعصب کی شدت اب اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ جو اصحاب کانگریس کا نام لیکر عوام کے سامنے آتے ہیں وہ بھی وہی باتیں اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں جو ملک کی فرقہ پرست جماعتیں کہتی ہیں۔ مثلاً

(۱) آردو غیر ملکی زبان ہے

(۲) آردو نے ملک کی آزادی کے خلاف کام کیا ہے۔

(۳) آردو کی تحریک ہندی کی مخالف ہے

(۴) علاقائی زبان کی تحریک مسلمان فرقہ پرستوں کی تحریک ہے۔ وغیرہ، وغیرہ۔

ملک کے فرقہ پرستوں کی زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے آسکی تو ہمیں ذرا بھی پروا نہیں، لیکن جب ہم کانگریسی لیڈروں کی زبان سے علاقائی تحریک کے خلاف اس قسم کی دروغ بافیاں سنتے ہیں تو ہمیں سوچنا پڑتا ہے کہ کانگریس اور مہاسبھا اور جن سنگھ کی سرحدوں میں اگر اب بھی کچھ فاصلہ باقی ہے تو وہ کتنا ہے!

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو ان ہی کانگریسی نیتاؤں کا یہہ رنگ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کسی اقلیت نے کوئی شکایت کی اور انہوں نے ڈپٹ کر فرمایا کہ یہہ تو ہمارے آزاد ملک کے دستور کی توہین ہے اور اس طرح دستور کی توہین کرنے والے غدار ہیں اور پاکستان کے جاسوس ہیں، لیکن یہہ معزز حضرات خود اپنے ملک کے دستور کے خلاف کچھہ ہی فرماتے رہیں اور کرتے رہیں وہ سب جائز ہے!۔ وہ اگر اقلیتوں کو دستور کے تحت اپنے حقوق کے لئے جد وجہد کرتے دیکھتے ہیں تو خفا ہو جاتے ہیں اور اس جد وجہد کی مخالفت اسی طرح کرنے لگتے ہیں جس طرح مہاسبھائی یا جن سنگھہ والے۔

علاقائی زبانوں کے متعلق ایک بات اور بھی انکی فرقہ پرستی کے رنگ کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ یہہ کہ کسی دوسرے علاقہ میں کسی دوسری علاقائی زبان کے خلاف یہہ زور وشور نہیں جو اترپردیش میں آردو کے خلاف ہے۔ مدھیہ پردیش میں مرہٹی زبان کو علاقائی زبان تسلیم کیا جا رہا ہے، بنگال میں بنگالی زبان کے متعلق یہہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ علاقائی زبان ہے یا نہیں، جنوب میں تلنگی زبان اپنے مقام پر قایم ہے۔ کہیں بھی ہندی کے حامیوں نے کسی علاقائی زبان کے تحریک کی یہہ کہہ کر مخالفت نہیں کی کہ یہہ تحریک سرکاری زبان کی مخالفت ہے حالانکہ جنوب میں تو سرکاری زبان کی علانیہ مخالفت ہو رہی ہے لیکن کانگریس کے کسی نیتا کو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ تمام علاقائی زبانوں کے حامیوں کو بار بار اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ سرکاری زبان علاقائی زبانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی اور علاقائی زبانوں کے حقوق محفوظ رہیں گے لیکن صرف اترپردیش ہی میں اور صرف آردو ہی کے مقابلہ میں یہہ ہنگامہ برپا ہے کہ آردو تو کوئی زبان ہی نہیں اور وہ اس ریاست کی علاقائی زبان ہو ہی نہیں سکتی اور جو کوئی ایسا ثابت کرنے کی کوشش کرے وہ سرکاری زبان کا دشمن ہے!

برخلاف جنوبی ہند کے اترپردیش میں علاقائی زبان کے حامی اپنے ہر سانس میں اعلان کر رہے ہیں کہ ان کی تحریک کا مقصد سرکاری زبان کی مخالفت نہیں ہے لیکن یہاں اس بات کو کوئی نہیں سنتا اور جو نعرہ مہاسبھا بلند کرتی ہے وہی ہمارے بعض کانگریسی نیتاؤں کے حلق سے بھی نکلتا ہے۔

بہت سے انصاف پسند اور ایماندار کانگریسی لیڈر ایسے بھی ہیں جو اگر چاہیں تو دوسرے نیتاؤں کی اس کجروی کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہیں اور دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ ہمارے دستور کی روح یہہ ہے کہ تمام علاقائی زبانوں کو اپنے اپنے علاقے میں ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ آردو کا خاص علاقہ اترپردیش

اور دھل ہے۔ ان علاقوں میں اردو کی مخالفت کرنا اور اسکے خلاف فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانا اپنے ملک کے مفادات کو نقصان پہنچانا ہے۔ غدار وہ لوگ نہیں ہوسکتے جو کسی دستوری حق کے لئے دستوری جد وجہد کریں بلکہ وہ لوگ اس خطاب کے مستحق ہیں جو دستور کے منشا کے خلاف کسی علاقائی زبان کو اسکے حقوق سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔

کانگریس کی کسی جماعت یا اسکے کسی لیڈر کے متعلق ایسی تلخ باتیں لکھتے ہوئے ہمارا دل دکھتا ہے۔ مہاتما گاندھی کے اقدس نے کانگریس کے نام کو بھی مقدس بنا دیا تھا اور کانگریس نے آزادی کی جنگ جیت کر تاریخ کے صفحات پر اپنے نام کو ہمیشہ کے لئے روشن کردیا تھا، لیکن آج خود گھر کے لوگ ہی اپنے گھر کے چراغ کو گل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ حکومت کی کرسیوں پر مہاتما گاندھی اور انکی کانگریس کا نام اب ایک کھلونا بن گیا ہے۔ جہاں اپنا کام نکالنا ہو تو مہاتما گاندھی کی جے بھی پکاری جائیگی اور کانگریس کی عظیم الشان تاریخ کا بھی بار بار حوالہ دیا جائیگا۔ لیکن جہاں اس خود غرضی کے خلاف کوئی کلمہ حق کہا جائیگا وہاں بلا تکلف فرقہ پرستی کے ادنے جذبات کا مظاہرہ ہونے لگیگا!

صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو جو آج بھی مہاتما گاندھی کے صحیح وارث اور جانشین ہیں ان تمام خرابیوں سے بے خبر تو نہیں ہوسکتے۔ تو پھر وہ کانگریس کے اس قسم کے کھوٹے لیڈروں سے کچھہ تو محاسبہ کریں۔ آخر کب تک؟

ہلکے ہلکے اشارے

---- ہندستان ٹائمز کے نامہ نگار نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا کہ حکومت کی خارجی پالیسی پر تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے ایسی زبردست تقریر فرمائی جیسی کہ اس جلسہ میں کوئی دوسری تقریر نہ تھی۔

"انہوں نے سلیس و سادہ اور صاف اردو میں تقریر فرمائی کہ یہہ طے کرنا مشکل ہو گیا کہ کہاں تک انکی زبان اردو تھی اور کہاں سے اسکو ہندی سمجھا جائے .... تقریر کے اختتام پر نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے"

---- اب ٹنڈن جی یا سمپورنانند جی بتائیں کہ اسمیں مولانا آزاد کا کیا قصور تھا اگر انکی سادہ اور صاف اردو کو عمدہ ہندی سمجھا گیا! اور کسی نے یہہ شکایت نہ کی کہ وہ ایسی زبان بولتے ہیں جو سمجھہ میں نہیں آتی!

---- ہمارے بعض لیڈروں کی مہربانی سے اردو اور ہندی کے درمیان ایک ایسی حد فاصل قائم کردی گئی ہے جسکی وجہ سے ہندی اور اردو کا پیدائشی تعلق ٹوٹ گیا ہے اور صاف اور سادہ اردو کو بھی ہندی سے مختلف کوئی چیز سمجھا جاتا ہے ---- گویا صاف اور سادہ اردو کے علاوہ "ہندی" کوئی چیز ہے!

---- کیا اچھا ہوتا کہ مرکزی حکومت اہل زبان کی ایک کمیٹی مقرر کرکے ہمیشہ کے لئے یہہ طے کرا دیتی کہ ہندی کیا ہے اور اس کی لسانی نوعیت کیا ہے۔ ورنہ ہمارے ٹنڈنوں اور سمپورنانندوں کی ذہنی پرواز کے لئے فضا ہمیشہ بہت غیر محدود رہیگی!!

بہار کے ایک شہر کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری لکھتے ہیں کہ:

لوکل بورڈ سیوان کی غلطیوں سے سب ڈویژن کے اردو مکاتب ادھر برسوں سے آندھیوں اور طوفانوں اور بھونچالوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ بعض اردو مکاتب تو تاب نہ لاکر بھونچالوں کی زد میں آچکے ہیں اور بعض مستقبل قریب میں اپنی تباہیوں کی کہانیاں سنانے کے لئے دم توڑ رہے ہیں اور توڑنے کو ہیں۔

میں یہہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اب تک سب ڈویژن کے بیسیوں اردو مکاتب کو توڑنے اور بند کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟

جناب چیرمین صاحب لوکل بورڈ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول و سب انسپکٹر آف اسکول سیوان ان حضرات سے بار بار ہم نے مخلصانہ اپیل

کی ہے کہ وہ اس اردو دشمنی سے باز آئیں مگر یہہ اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔

آج یہہ معلوم کر کے افسوس ہی نہیں بلکہ سخت حیرت ہوئی کہ سب انسپکٹر آف اسکول نارتھ سیون نے اردو پڑھنے والے طلبا سے کہدیا کہ آپ اردو تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں تو پاکستان تشریف لے جائیے۔

لہذا ہماری پر زور اپیل وزیر تعلیم و دیگر محکمہ تعلیم کے عہدیداران سے ہے کہ وہ جلد از جلد لوکل بورڈ سیوان شعبہ تعلیم کی اس اردو دشمنی کی تحقیق کریں ورنہ یہہ بورڈ ہزاروں بچوں اور بچیوں کو جاہل کر دے گا۔

—— ادھر تو پاکستان میں اردو، پنجابی اور سندھی کے جھگڑے طے نہیں ہوئے اور ادھر ہم پاکستان کے نام پر طعنے سن رہے ہیں! وہ دن دور نہیں معلوم ہوتا جب لنڈن ہی کے بھارت میں اگر کوئی اردو والا کہیگا کہ مہاراج بھوک لگی ہے، روٹی نہیں ملتی تو اس سے کہا جائے گا کہ پاکستان کیوں نہیں جاتے! اگر وہ کہیگا کہ حضور ہسپتالوں میں دوا نہیں ملتی تو ارشاد ہوگا کہ تم پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے۔ اگر وہ عرض کرے گا کہ رشوت دیتے دیتے دیوالا نکل گیا تو حکم ہوگا کہ جاؤ پاکستان!۔ بہار بھی چشم بد دور ہمارے اتر پردیش کا ہونہار شاگرد معلوم ہوتا ہے!!

—— اتر پردیش کے وزیر اعظم نے اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہندی کے معنے آسان ہندی کے ہیں جس کو سب سمجھہ سکیں، یعنی اس ریاست کی بولی"۔

—— جب یہہ ہے تو پھر کیا اردو اور ہندستانی کسی اور زبان کا نام ہے؟

—— عثمانیہ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ "حیدرآباد کے لوگوں کو ایسا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے مرکز میں شامل ہونے اور ہندی یونیورسٹی بنانے سے علاقائی زبانوں کی ترقی رک جائیگی"۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندی اور علاقائی زبانیں سب پہلو بہ پہلو اور ایک دوسرے کا مقابلہ کئے بغیر ترقی کرینگی۔

وزیر اعظم نے یہہ بھی فرمایا کہ "کسی شخص کو کسی خاص زبان کے خلاف تعصب سے کام نہ لینا چاہئے۔ یونیورسٹیوں میں ہندی کو صرف بتدریج داخل کیا جائے اور یونیورسٹیوں میں انگریزی اسوقت تک رکھی جائے جب تک کہ اسکی ضرورت ہے"

—— اور پھر وزیر اعظم نے اپنا پورانا نسخہ یہہ بھی دو ہزار نہترویں دفعہ دہرایا کہ

"اگر ہمیں اپنے ملک کے بڑے مسایل کو حل کرنا ہے تو فرقہ پرستی یا صوبہ واری تعصبات کو دخل نہ دیا جائے۔ ہمیں فرقہ واری اور صوبائی تعصبات سے بلند تر ہونا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

—— اس تقریر کا حیدرآباد کے دوستوں پر جو بھی اثر ہوا ہو لیکن اتر پردیش میں تو بڑے بڑے نیتاؤں نے اس تقریر کو پڑھ کر صرف یہی فرمایا ہوگا کہ: ہوں! یونیورسٹیوں میں ہندی کو آہستہ آہستہ داخل کرنے کی ہی ایک ہی کہی، دیکھئے نا نہرو جی کے دل میں اب بھی چور ہے!۔ اور علاقائی زبانوں کے حامیوں کو اسقدر اطمینان دلانے کی کیا ضرورت؟ ارے صاحب صاف صاف کہا ہوتا کہ ہاں ہندی کا راج ہوگا اور علاقائی زبانوں کو اپنی فکر خود کرنی چاہئے۔۔ آخر یہہ کیا بات ہے کہ ہمارے وزیر اعظم اپنے ملک کے سب سے زیادہ بیدار اور ترقی پسند (!) صوبہ کی مثال کو اپنے لئے شمع ہدایت نہیں مانتے جس نے علاقائی زبان کے سوال کو تو جڑ ہی سے کاٹ ڈالا! نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! کیا آسان نسخہ تجویز کیا کہ جب صرف ہندی ہی اتر پردیش کی عوامی زبان ہے تو پھر کسی علاقائی زبان کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے!

—— ہم اپنے وزیر اعظم کو ادب کے ساتھہ یہہ مفید مشورہ دیتے ہیں کہ وہ زبان کے معاملہ میں اتر پردیش کے نیتاؤں کی رہنمائی قبول فرمائیں!۔

اردو ہندی اور انگریزی

—— اردو ہندی اور انگریزی کا ایک عجیب مثلث آج کل ہمارا ملک میں بنا ہوا ہے۔ ہندی والے کہتے ہیں کہ انگریزی اگر دس پندرہ برس اور قایم رہے تو مضایقہ نہیں، لیکن اردو کیوں؟ لہذا جہاں ہندی اردو کو ہٹا نہیں سکتی وہاں انگریزی کو اس کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے۔ اردو والے اگر یہہ کہتے ہیں کہ ابھی ہندی زبان نے اتنی ترقی نہیں کی کہ وہ انگریزی کی جگہہ لے سکے تو وہ معتوب ہوتے ہیں۔ انگریزی والے اگر کہتے ہیں کہ انگریزی زبان کو قایم رکھنا ہی پڑیگا بغیر اس کے علوم کی تحصیل ناممکن

ہے تو اکثر ہندی والے اور کچھ اردو والے بھی خفا ہوتے ہیں - اس مثلث کا زاویہ دوسرے زاویے سے اُلجھا ہوا ہے!

—— لیکن پتہ کی بات یہہ ہے کہ انگریزی زبان کے علمی افادیت کے علاوہ بڑی مشکل یہہ آپڑی ہے کہ ڈیڑھ سو برس میں انگریزی ہمارے خون میں سرایت کر گئی ہے - آج بھی وہ تعلیم یافتہ لوگ جو اردو کے حامی ہیں اکثر انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں اور اکثر خطوط انگریزی میں لکھتے ہیں - شاید انھیں اظہار خیال کے لئے انگریزی، ہندی اور اردو سے زیادہ آسان معلوم ہوتی ہے - اور تو سب جانے دیجئے، پڑھے لکھے لوگوں کے دعوت ناموں کا تماشہ دیکھئے - شادی ہے، کوئی پارٹی ہے، کھانے کی دعوت ہے، کوئی بھی تقریب ہے، دعوت نامہ انگریزی زبان میں ہوگا requests the pleasure of .... وغیرہ وغیرہ - پہلے تو خیر دعوت نامہ میں یہہ بھی ہوتا تھا کہ کالی شروانی پہن کر آئے یا انگریزی لباس - مگر اب یہہ پابندی کم ہوتی جاتی ہے تاہم requests the pleasure of کا زور قایم ہے اور اس کے مقابلہ میں "مجھے مسرت ہوگی اگر آپ میرے ساتھہ ما حضر تناول فرمائیں" کا لنگڑا ٹٹو نہیں چلتا!

—— اردو کی حمایت کا دعوے کرنے والے اور مشرقی تہذیب کے زبانی جھنڈے بلند کرنے والے اس R. S. V. P. سے کسی طرح نجات نہیں پاتے - وہ اگر سوچیں تو شرمائیں کہ اپنی روز کی زندگی میں وہ کس طرح اردو کو نظروں سے گراتے ہیں اور پھر ہندی والوں کا شکوہ کرتے ہیں کہ وہ اردو کے دشمن ہیں!

—— اتنی موٹی بات تو سمجھہ میں آجانی چاہئے کہ اردو کے متعلق ذہنی کیفیت اگر اپنی ہی درست نہ ہو تو باہر نعرے لگانے سے کیا فایدہ! - تعلیم یافتہ لوگوں کی صحبت میں جایئے، اکثر وہ لوگ جن کی مادری زبان اردو ہے انگریزی میں بات چیت کرتے ملے جائینگے - یہہ وبا سب سے زیادہ ہمارے طلبا میں ہے - کٹ پٹ کٹ پٹ کا دھواں دماغوں میں بھرا ہوا ہے مگر اردو کے لئے ۲۰ لاکھہ دستخط بھی کراتے پھر رہے ہیں!!

—— انگریزی یا کسی ترقی یافتہ یورپین زبان میں پوری دستگاہ حاصل کرنا بڑے فخر کی بات ہے، لیکن اپنی روزانہ زندگی میں اپنی مادری زبان کو بھول جانا بڑی ذلت کی بات ہے! - اردو کے حامی اپنی اندرون سے محاسبہ کریں -

—— اس بیماری سے ہندی والے بھی بچے نہیں ہیں، لیکن ہم انہیں کیا کہیں - پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیں!

راقم
Requests the
Pleasure of ....

"ادب میں تنگ نظری اور
تعصب کی گنجایش نہیں ہے
ادب کو کسی ذاتی اعتقاد یا
تعصب سے تعلق نہیں ہے وہ
ادیب ادیب نہیں جس میں
منصف مزاجی نہ ہو"
(تیج بہادر سپرو)

شاخ حیدر اباد کی سالانہ رپورٹ

(بسلسلۂ اشاعت گذشتہ)

حکومت ہند کی وزارت تعلیمات کے ایما پر حیدر آباد کے محکمہ تعلیمات نے تلنگی، مرہٹی، کنڑی، ہندی اور اردو زبانوں میں بچوں کا لٹریچر تیار کرنے کی غرض سے ایک ریجنل یعنی علاقائی کمیٹی مقرر کی ہے - انجمن ترقی اردو (حیدر آباد) کے معتمد کو بھی اس کمیٹی کا ایک رکن نامزد کیا ہے - اس کمیٹی کا افتتاحی اجلاس وزیر تعلیمات کی صدارت میں ۱۶ مئی سنہ ۱۹۵۲ ع کو ہوا - ان دنوں معتمد انجمن اتفاق سے بمبئی گیا ہوا تھا اس لئے وہ اس افتتاحی جلسے میں شریک نہ ہوسکا لیکن

خوش قسمتی سے ہماری مجلس انتظامی کے ایک رکن راۓ شیو راج بہادر صاحب سرکاری حیثیت سے اس اجلاس میں شریک تھے ۔ اجلاس کی روئداد انجمن کو وصول ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوا کہ مختلف علاقائی زبانوں کے لئے ایک ایک ذیلی کمیٹی مقرر کردی گئی ہے اور اُردو کی ذیلی کمیٹی کا چیرمین انجمن ہذا کے معتمد کو مقرر کیا گیا ہے ۔ ذیلی کمیٹی کے دوسرے ارکین میں سید ساجد علی صاحب، مقبول احمد سیوہاروی صاحب، راۓ شیو راج بہادر صاحب، اور مس ندوی شامل ہیں ۔ اس معاملے میں محکمہ تعلیمات کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کی کوشش کی جاۓ گی ۔

حال میں حیدرآباد اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں حکومت حیدرآباد کے ایک ذمہ دار رکن نے اپنی اس راۓ کا اظہار کیا کہ اُردو حیدرآباد کی علاقائی زبان نہیں ہے اور نہ وہ کوئی بڑی زبان ہے ۔ اگرچہ یہ بظاہر ایک انفرادی راۓ معلوم ہوتی ہے تاہم چوں کہ وہ حکومت کے ایک ذمہ دار رکن کا بیان ہے جو اسٹیٹ اسمبلی جیسے اہم ادارے کے پلیٹ فارم سے دیا گیا ہے، اس لئے اس پر خاموشی اختیار کرنے سے اُردو کے حق میں ضرر رساں نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے، اس خیال کے پیش نظر انجمن کی مجلس انتظامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کی طرف سے ایک وفد چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک یادداشت پیش کرے جس میں اُردو کی اہمیت اور حیدرآباد میں اس کی تاریخی اور عددی حیثیت کو واضح کرتے ہوۓ حکومت سے یہ خواہش کی جاۓ کہ ریاست حیدرآباد میں اُردو کو بھی وہی حیثیت اور درجہ دیا جاۓ جو تلنگی، مرہٹی، کنڑی کو حاصل ہے ۔ چنانچہ یادداشت کا مسودہ تیار کیا جا رہا ہے اور عن قریب چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست بھیجی جاۓ گی کہ وفد کو حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں ۔ دعا کیجئے کہ ہماری یہ دستوری کوشش بار آور ثابت ہو ۔

انجمن کی خبریں

نانڈیڑ (ریاست حیدرآباد)

مقامی بزم ادب کے زیر اہتمام ۷ ستمبر ۱۹۵۲ع کو ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں ہر مذہب و ملت کے اہل سخن اور اہل ذوق حضرات بڑی تعداد میں شریک ہوۓ ۔ پیپلز کالج نانڈیڑ کے پروفیسر بھاٹیا نے مشاعرے کی صدارت کی ۔ ساغر، نشتر، اور جوالا پرشاد مصرا کا کلام خاص طور پر پسند کیا گیا ۔ ضلع کے اکثر سربرآوردہ عہدہ داروں، لیڈروں اور کاروباری حضرات نے بلالحاظ مذہب و ملت مشاعرے میں شرکت فرمائی ۔"

مراد اباد

بیگم سعید صاحبہ اطلاع دیتی ہیں کہ ۱۰ جولائی تک علاقائی تحریک کے سلسلہ میں نو ہزار دستخط حاصل کئے جا چکے تھے ۔

"اب ۱۰ مارچ ۱۹۵۲ع سے انجمن ترقی اُردو خواتین مراد آباد نے مزید جد و جہد شروع کی ہے پچیس ہزار کا کوٹہ شہر مراد آباد کا مقرر کیا گیا ۔ جو بفضل خدا پورا ہو گیا ۔ لیکن ہم کو صرف پچیس ہزار کی تعداد کو پورا نہیں کرنا ہے ۔ بلکہ بیس لاکھ کی ۔ اس لئے کام ابھی جاری ہے ۔ جب تک یہ دستخطی مہم جاری ہے ہم کام انشاء اللہ کرتے رہیں گے ۔ اور اب تحصیل امروہہ، و سنبھل میں جا کر کام کرنے کا ارادہ ہے "

شہر مراد آباد سے پچاس ہزار کا کوٹہ مقرر تھا ۔ انجمن بقاۓ ادب نے بھی اپنا کوٹہ پورا کرلیا ۔ اور ۳۱ اگست تک شہر مراد آباد سے کام پورا ہو گیا ۔

میسور

ٹیپو سلطان شہید کا عرس ۱۸ اگست کو بڑی دھوم دھام سے منایا گیا ریاست کے طول و عرض سے بے شمار ہندو مسلمانوں نے ہندستان کے اس محب وطن کی یاد منانے کے لئے اس مقدس اجتماع میں شرکت کی ۔

رات کو مسجد اقصی میں ایک جلسہ مسٹر محمود شریف سابق وزیر کی صدارت میں منعقد ہوا

کانگریس کے صدر مسٹر والیا نے اس جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ٹیپو سلطان نے وطن کی آزادی کے لئے بے مثال قربانی دی اور ملک کی آزادی کے لئے راستہ صاف کیا۔ آج انہی قربانیوں کی بدولت ہم آزادی کی نعمتوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔

آگے چل کر مسٹر والیا نے اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا اور کہا کہ اسلام میں مساوات ایک ایسی چیز ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ ہمیں مساوات کے سلسلہ میں اسلامی اصول کو کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنانا چاہئے۔ ہندی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے ہندی نہ سیکھی تو باہر کے لوگ ہم پر چھا جائیں گے۔

اردو کے فروغ کو ضروری قرار دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ مسلمان اسے عرب سے نہیں لائے یہ یہیں پیدا ہوئی اور سو لہ صدی یہ ہماری زبان ہے۔

مجوزہ اردو کانفرنس کے لئے

(علامہ انور صابری کے تاثرات)

عالمی اردو کانفرنس علی گڈھ کا ذکر اخبارات میں پچھلے دنوں پڑھتا رہا اب اس کے امور انتظامیہ کے دفتر میں خود حاضر ہو کر کارکنان کانفرنس سے تبادلۂ خیال کا موقع بھی نصیب ہوا۔

مجھے زندگی کے اکثر و بیشتر حصے میں "کانفرنسوں" کی ہا ہی۔ جدوجہد اور نتائج و اثرات سے وابستہ رہنے کی سعادتیں فراہم ہوتی رہی ہیں اس لئے گذشتہ تجربات کی روشنی میں دل کھول کر شبہات و اعتراضات کئے، خدا کا شکر ہے کہ ذمہ داروں کی گفتگو نے مجھے یہ عرض کرنے کے قابل بنا دیا کہ مقصد ضرورت اور ادب و حیات کے لئے اس کانفرنس کا انعقاد جمہوری ہندستان کے مستقبل کی مضبوطی کا واحد ضامن ہوگا۔ اور اردو جیسی ترقی پسند، حیات افروز اور اتحاد پرور زبان کے تحفظ و بقا کے لئے ہم وہ کام کر سکیں گے جس سے آئندہ نسلیں اپنے آباو اجداد کے تاریخی مآثر پر فخر کر سکیں۔

جن حضرات تک کارکنوں کی جانب سے تعاون و اشتراک کی اپیل پہونچے ان سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ دامے، درمے، قدمے ہر قسم کی امداد و اعانت سے نوازیں۔

میں نے سخنے قصداً نہیں کہا کہ اس دور میں نام اور بات سے زیادہ کام کی ضرورت ہے۔

فقیر زادہ

انور صابری

علاقائی زبان کمیٹی کا جلسہ

لکھنؤ۔ ۲۴ ستمبر اردو علاقائی زبان کمیٹی چار سفیر مقرر کرے گی۔ جو صوبہ بھر کا دورہ کرینگے اور کوشش کرینگے کہ ۲۲ دسمبر تک بیس لاکھ دستخط پورے ہو جائیں۔ اس وقت تک اندازاً دس لاکھ دستخط ہو چکے ہیں۔ جس میں سے سوا پانچ لاکھ لکھنؤ کے دفتر میں آ چکے ہیں۔

آج سہ پہر کو گنگا پرشاد میموریل لائبریری میں اردو علاقائی زبان کمیٹی کا جلسہ پنڈت کشن پرشاد کول صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اس میں شرکت کے لئے اسلم سیفی صاحب میرٹھ سے، مسیح الزماں صاحب الہ آباد سے اور قاضی مختار احمد صاحب کانپور سے تشریف لائے تھے۔ ان کے علاوہ مقامی ممبران موجود تھے۔

آنس سکریٹری سلطانہ بیگم صاحبہ نے بتلایا کہ اب تک ۲۰۲ مرکز قائم ہو چکے ہیں جہاں دستخط حاصل کرنے کا کام ہو رہا ہے۔ اردو علاقائی زبان کے دفتر نے اب تک ساڑھے چھ ہزار خطوط، گشتیاں وغیرہ بھیجی ہیں اندازاً ڈھائی ہزار کارکن اس جدوجہد میں منسلک ہیں اور امید ہے کہ اگر کمیٹی کی طرف سے چار سفیر برابر دورے کرتے رہیں گے تو تین مہینے کے اندر بیس لاکھ دستخط کی تعداد پوری ہو جائیگی۔

جنرل سکریٹری حیات اللہ انصاری صاحب نے کہا کہ پچھلی مرتبہ تاریخ بڑھا کر ۳۱ اگست کی گئی تھی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا کیونکہ امتحانات اور گرمیوں کی چھٹیوں اور رمضان کی وجہ سے کام میں تیزی آنے کے بجائے ایسی سستی آگئی کہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کام بالکل بند ہو گیا ہے۔ لیکن جولائی اور اگست کی مسلسل کوششوں کے بعد اس میں جان پڑی ہے اور تحریک پھر جگہ جگہ پھیلنے لگی ہے۔

جنرل سکریٹری نے گوشوارہ حساب پیش کیا جس کو دیکھکر کمیٹی کی رائے ہوئی کہ بہت کم خرچ میں کام چلایا گیا ہے جو قابل تعریف ہے۔

ممبروں نے غور کرنے کے بعد طے کیا کہ دستخطی مہم ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۵۱ ع کو شروع کی گئی تھی۔ اس لئے اس کی آخری تاریخ ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۵۲ ع مقرر کردی جائے۔ چنانچہ آخری تاریخ مقرر کردی گئی ہے۔

کمیٹی نے پچھلے جلسے میں یہ طے کیا تھا کہ کام میں تیزی نہیں آرہی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ صرف خط و کتابت سے کام لیا جارہا ہے۔ اور دورے بہت کم کئے جارہے ہیں اور اس کی وجہ آمدنی کی کمی ہے اس لئے ایک وفد جو پنڈت کشن پرشاد کول صاحب، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور صاحب پر مشتمل ہو ڈاکٹر ذاکر حسین صدر انجمن ترقی اردو سے ملکر مالی امداد کی خواہش کرے۔ اس وفد نے اپنی رپورٹ دی کہ مرکزی انجمن نے وعدہ کیا ہے کہ کمیٹی ضروری مالی امداد کریگی۔

جنرل سکریٹری نے بتلایا کہ ایک سفیر جناب قدیر لکھنوی مقرر کئے گئے ہیں اور اس مہینہ کے آخر تک باقی تین سفیر اور مقرر کئے جائیگے اور صوبہ کے چار حصے کر کے ان کے سپرد کردے جائینگے۔

کمیٹی نے باتفاق سردار بلونت سنگھ، مولانا ابوالقاسم اور قاضی محمد مختار صاحبان کو کمیٹی کا ممبر بنا لیا۔

انجمن کی مطبوعات

حیات اجمل

(بمبئی کے انگریزی اخبار بھارت جیوتی کی رائے)

"...... حکیم اجمل خان نے جو ایک ممتاز سیاست داں تھے اور ھندو مسلم اتحاد کے متعلق ایک مضبوط عقیدہ رکھتے تھے موتی لال نہرو، مولانا محمد علی، سی-آر-داس، لوکمانیہ تلک، ڈاکٹر انصاری، ولبھ بھائی پٹیل، مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد جیسے قوم پرست بہادروں کے ساتھ اپنی وفات کے وقت تک جو ۱۹۲۷ ع میں ہوئی کام کیا۔ حکیم صاحب میں ہر وقت ایک جذبہ کارفرما تھا جس نے انہیں ملک کی آزادی کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رکھا۔

قاضی محمد عبدالغفار کی یہ کتاب حیات اجمل صرف ایک سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ اس عجیب زمانہ کی ایک سیاسی تاریخ بھی ہے۔ قاضی صاحب نے جو خود اردو کے ایک بڑے عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور مشہور اردو صحیفہ نگار ہیں ایک ایسی عظیم الشان شخصیت کے سوانح حیات مرتب کر کے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے......"

مصنف ہمارے شکریہ کے اس لئے مستحق ہیں کہ انہوں نے بہت محنت کر کے اس سوانح کے مواد کو ترتیب دیا اور بہت پر لطف اردو میں اسے پیش کیا۔

حیات اجمل حکیم اجمل خاں کے ایک مستند سوانح ہے اور اس زمانہ کے سیاسی انقلابات کی ایک مستند تاریخ ہے۔ یہ کتاب بہت قابل قدر ہے اور سیاست اور تاریخ کے ہر مطالعہ کرنے والے کے پاس ہونی چاہئے۔

(بھارت جیوتی بمبئی)

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ھند) علی گڈھ سے شائع کیا۔